کیا رسول اللہ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائیں؟

مفتی محمد خان قادری

س: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے بھی؟ فرمایا:

کنت ارعاھا علی قراریط لاھل مکۃ (البخاری، کتاب الاجارہ)

''میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں قراریط (اجرت) پر چرائی ہیں''۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی بکریاں اجرت پر چرائی ہیں۔ حالانکہ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ ہر نبی اپنے دور کا معزز پیشہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن لوگوں کی بکریاں اجرت پر چرانا تو معزز پیشہ نہیں پھر سید الانبیاء ﷺ نے یہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس کی وضاحت کتاب وسنت کی روشنی میں کی جائے۔

(السائل محمد اختر رضا قادری سرگودھا)

جواب: کتاب وسنت کے مطالعہ کے بعد محققین علماء نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرگز ہرگز لوگوں کی بکریاں اجرت پر نہیں چرائیں۔ ہاں آپ نے اپنی بکریاں چرائی ہیں۔ پہلے ہم کتاب وسنت کے دلائل ذکر کرتے ہیں پھر مذکورہ حدیث کا مفہوم سامنے لائیں گے تاکہ معاملہ واضح ہو جائے۔

قرآن اور لفظ راعنا

مجلس میں آپ ﷺ جب کسی معاملہ کے بارے میں گفتگو فرماتے، اگر حاضرین میں سے کسی کو کوئی بات سمجھ آتی تو عرض کرتے ''یارسول اللہ ﷺ راعنا''۔ اے اللہ کے رسول ہماری رعایت کیجئے۔ آپ کی مجلس میں منافقین اور یہود بھی آتے تھے۔ انہوں نے اپنے دل کے بغض اور حسد وبغض کے اظہار کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ وہ بھی لفظ ''راعنا'' استعمال کرتے۔ مگر ذرا زبان کو مروڑ کر پڑھتے تاکہ اس سے حضور ﷺ کی توہین کا پہلو پیدا کیا جاسکے۔ وہ کیا معنی مراد لے کر استعمال کرتے تھے؟ اہل تفسیر لکھتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعے حضور علیہ السلام کو

''اپنا چرواہا'' قرار دینے کی ناپاک جسارت کرتے تھے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ۶

یا ایھا الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکفرین عذاب الیم''۔

''اے اہل ایمان اب راعنا مت کہو بلکہ انظرنا (ہم پر نظر کرم کیجئے) کہو اور آپ کی گفتگو خوب اچھی طرح سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

اس آیت مبارکہ کے تحت چند مفسرین کی تحریر کردہ آراء ملاحظہ کیجئے جو ہمارے مدعا پر روشن دلیل ہیں۔

۱۔ امام فخر الدین رازی نے لفظ ''راعنا'' کی سات تفاسیر اور معانی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں:

ثالثھا ان الیھود کانوا یقولون راعینا ای انت راعی غنمنا فنھا عم اللہ عنھا۔

''تیسری صورت یہ تھی کہ یہود لفظ راعنا کو راعینا کے طور پر ادا کرتے یعنی'' اے ہمارے بکریاں چرانے والے!'' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو حرام قرار دیا۔ (تفسیر کبیر ۳: ۲۲۳)

۲۔ علامہ محمود آلوسی اس لفظ کی تشریح میں مفسرین کا ایک قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

قیل بل کانوا یشبعون کسر العین و یعنون لعنھم اللہ تعالیٰ انہ وحاشاہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ خدمھم و رعاۃ غنمھم و قد کانوا یقولون ذلک مظھرین الاحترام والتوقیر مضمرین مایستحقون بہ جھنم و بئس المصیر۔

''یہود لفظ راعنا کو پکار کر پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر ہو۔ حاشا وکلا آپ ﷺ کی ذات اقدس اس سے پاک ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ہمارے بطور خادم اور ہماری بکریاں چرانے والے ہیں۔ اس سے وہ بظاہر آپ کا احترام اور توقیر کرتے مگر دل و دماغ میں ایسی بات چھپاتے جس سے وہ اس جہنم کے مستحق ٹھہرے جو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ آلوسی کے یہ الفاظ ''اللہ ان پر لعنت کرے'' اور ''حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس اس سے پاک ہے'' نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔

۳۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے سورۃ البقرہ میں لفظ راعنا کا مفہوم واضح کرنے کے لیے ''یہود کی شرارت'' کے عنوان کے تحت یہ گفتگو تحریر کی ہے:

''اوپر گزر چکا ہے کہ یہ یہود کی ان شرارتوں اور اعتراضات سے متنبہ کیا جارہا ہے جو وہ آنحضرت ﷺ اور قرآن کے خلاف اس لیے کرتے تھے کہ اپنے اوان کی مجالس کا علیس اور ہو سکے تو اس طرح مسلمانوں کو

اسلام کی نعمت عظمیٰ سے محروم کریں۔ سیاق وسباق پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض یہودی محض منافقانہ اعتراض کے لیے آنحضرت ﷺ کی مجالس میں شریک ہوتے اور اپنے شوق استفادہ اور ذوق تعلم کے اظہار کے طور پر راعنا کا لفظ بار بار دہراتے تاکہ حاضرین مجلس پر یہ اثر ڈالیں کہ یہ علم کے بڑے طالب اور قدردان لوگ ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ اس لفظ کو صرف اس لئے استعمال کرتے تھے کہ ذرا سا زبان کو توڑ مروڑ کر استعمال کرنے سے اس سے حضور اکرم ﷺ کی توہین کا پہلو پیدا کیا جا سکتا تھا۔ راعنا کو ذرا بیچے کی طرف دبا کر ادا کیجئے تو بڑی آسانی سے راعینا بن جائے گا جس کے معنی "ہمارے چرواہے" کے ہیں۔ یہود کی اس شرارت کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ.

"یہود میں وہ لوگ ہیں جو کلام کو اس موقع محل سے ہٹاتے ہیں اور اپنی زبانوں کو لپکا کر کہتے ہیں سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع اور راعنا دین پر طنز کرنے کے لیے"۔

اس آیت سے واضح ہے کہ یہ شرارت راعنا کے تلفظ میں زبان کو لپکا کر پیدا کی جاتی تھی۔ (تدبر قرآن، ۱:۲۵۰۔۲۵۱)

دوسرے مقام پر سورۃ النساء کی تفسیر میں لفظ راعنا کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"راعنا" کے لفظی معنی ہیں "ذرا ہماری رعایت فرمایئے" اس لفظ کا اچھا محل استعمال یہ ہے کہ اگر مخاطب نے متکلم کی بات اچھی طرح سنی یا سمجھی نہ ہو یا بات ایسی لطیف اور حکیمانہ ہو کہ خود متکلم کی زبان سے اس کو مکرر سننا چاہے تو اس کو دوبارہ متوجہ کرنے کے لئے جس طرح ہمارے ہاں کہتے ہیں "پھر ارشاد ہو یا پھر فرمایئے" اسی طرح عربی میں "راعنا" کہتے ہیں۔ یہ لفظ سامع کے ذوق وشوق اور اس کی رغبت علم کی دلیل ہے لیکن یہودی اشرار "لی لسان" یعنی زبان کو توڑ مروڑ کے ذریعے اس کو بھی طنز کے قالب میں ڈھال لیتے۔ اس کی شکل یہ ہوتی کہ "راعنا" میں "ع" کے کسرہ کو ذرا دبا دیجئے تو یہ لفظ "راعینا" بن جائے گا اور اس کا معنی ہو گا "ہمارا چرواہا"۔ قرآن نے یہود کی اس شرارت کی وجہ سے اس لفظ کو سرے سے مسلمانوں کے مجلسی الفاظ ہی سے خارج کر دیا اور اس کی جگہ "انظرنا" کے استعمال کی ہدایت فرمائی جس کے معنی ہیں "ذرا ہمیں مہلت عنایت ہو" ذرا پھر توجہ فرمایئے۔ یعنی مفہوم کے لحاظ سے یہ ٹھیک ٹھیک "راعنا" کا قائم مقام ہے اور اس میں لہجہ کے بگاڑ سے کسی بگاڑ کے پیدا کیے جانے کا کوئی موقع نہیں ہے"۔ (تدبر قرآن، ۲:۸۳)

آگے بڑھنے سے پہلے مولانا کا ہی "الفاظ سے متعلق ایک نفسیاتی حقیقت" کے تحت تحریر کردہ اقتباس بھی پڑھیے۔

"الفاظ کے متعلق یہ نفسیاتی حقیقت ملحوظ رہنی چاہیے کہ اگر ان کے اندر کوئی روح فساد موجود ہو یا سوء استعمال سے پیدا کر دی گئی ہو تو پھر سلامتی ان سے دور رہنے میں ہی ہے ورنہ ان کا زہر غیر شعوری طور پر ان کے

بولنے والوں اور سننے والوں کے اندر بھی سرایت کر کے رہتا ہے۔ مسلمانوں کو اس چھوت سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ "راعنا" کے استعمال کی ممانعت فرمادی"۔ (تدبر قرآن، ۱:۲۵۱)

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے اخذ شدہ نکات

۱۔ امت مسلمہ کو سب سے پہلا سبق اس آیت نے یہ دیا ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ کے بارے میں جب گفتگو ہو خواہ تحریر ہو یا تقریر تو ہر اس لفظ سے احتراز لازم وفرض ہے جس سے آپ کی بے ادبی کا کوئی شائبہ ہو۔ علامہ شوکانی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وفی ذلک دلیل علی انه ینبغی تجنب الالفاظ المحتملة للسب و النقص وان لم یقصد المتکلم بها ذلک المعنی للشتم سداً للذریعة و دفعاً للوسیلة وقطعاً لمادة المفسدة والتطرق الیه.

"اس آیت مبارکہ نے یہ اصول دیا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں ہر وہ لفظ لکھنا اور بولنا جس میں سب ونقص کا احتمال ہو اس سے بچنا ضروری ہے۔ اگرچہ متکلم ان الفاظ سے یہ معنی مراد بھی نہ لے رہا ہو تاکہ ہر طرح سے بے ادبی اور توہین، فتنہ وفساد کی راہ کو مسدود کر دیا جائے"۔ (فتح القدیر، ۱:۱۲۳)

۲۔ کوئی لفظ بظاہر کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اگر اس کو سوء ادب کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہو تو ایسا لفظ بولنا بھی توہین شمار ہو گا۔ لفظ "راعنا" نہایت خوبصورت لفظ تھا مگر اہل نفاق وحسد نے اسے بے ادبی کا ذریعہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے یکے قلم اسے مسلمانوں کی گفتگو سے خارج کر دیا۔

۳۔ لفظ راعنا کے متعدد مفاہیم ضرور ہیں مگر قرآنی الفاظ وراعنا لیاً بالسنتهم (وہ اسے زبان سے لپکا کر پڑھتے) ۔ اس کے بھی معنی اجاگر کر رہے ہیں کہ وہ اس کے ذریعے آپ کو چرواہا قرار دینے کی بھونڈی کوشش کرتے تھے۔ اس کی تفصیل کے لیے مولانا اصلاحی کے دوسرے اقتباس پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو "چرواہا" کہنا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جب قرآن ایسا لفظ بولنا گوارا نہیں کرتا جس میں چرواہا بنانے کی کوشش ہو تو وہ صراحتاً چرواہا کہنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔

۵۔ اگر واقعتہً آپ نے اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرائی ہوتیں تو قرآن ڈنکے کی چوٹ پر ایسے الفاظ کے استعمال سے منع نہ کرتا۔

۶۔ اس لفظ سے منع کرنا از خود اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے معاملہ سے ہی پاک رکھا تاکہ مخالفین کسی موقعہ پر بھی اسے حقارت کا ذریعہ نہ بنائیں۔

۷۔ جب ہر جگہ غلط الفاظ کا زہر سرایت کر کے ذہن کو برباد کر دیتا ہے تو پھر حضور علیہ السلام کے بارے میں صد درجہ احتیاط ضروری ہے۔ اگر بار بار آپ کو چرواہا لکھا جائے، پڑھا اور سنا جائے تو اس سے ذہنوں پر جو غلط اثرات

مرتب ہوں گے وہ کسی صاحب فہم و شعور سے مخفی نہیں۔ خصوصاً جب بچوں کو پڑھایا جائے جو عظمت محنت وغیرہ سے آگاہ ہی نہیں ہوتے۔

مذکورہ حدیث کا صحیح مفہوم

رہا یہ معاملہ کہ مذکورہ حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ نے اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں تو اس سلسلہ میں درج ذیل گذارشات نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔

ا۔ اس حدیث میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں۔ الفاظ حدیث اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما بعث الله نبياً الا رعى الغنم فقال اصحابه وانت فقال نعم كنت ارعاها على قراريط لاهل مكة.

"اللہ تعالیٰ کسی نبی نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے بھی؟ فرمایا: میں نے اہل مکہ کی بکریاں مقام قراریط پر چرائی ہیں"

بعض لوگوں کی غلط فہمی

اس حدیث میں لفظ قراریط استعمال ہوا ہے جو ایک جگہ کا نام ہے لیکن بعض لوگوں نے اس کا ترجمہ نقدی (اجرت) کرتے ہوئے کہا کہ یہ قیراط کی جمع ہے اسی بناء پر شیخ سوید بن سعید نے حدیث کا ترجمہ یوں کیا:

كل شاة بقيراط

"ایک بکری کی اجرت ایک قیراط تھی"۔ (ابن ماجہ، کتاب التجارت)

علماءِ محققین کی رائے

علماء محققین نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ قراریط مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ قیراط کی جمع نہیں۔

ا۔ حدیث، لغت اور دیگر فنون کے امام شیخ ابراہیم بن اسحاق الحربی قراریط کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

ان قراريط اسم مكان في نواحي مكة قرب اجياد.

"قراریط اطراف مکہ میں اجیاد کے قریب ایک جگہ کا نام ہے"۔ (عمدۃ القاری ۱۲: ۸۰)

۲۔ امام ابن جوزی کے استاد شیخ محمد ناصر شیخ سوید کی تفسیر قراریط کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اخطاء سويد في تفسيره القيراط با لذهب والفضة اذلم يرع النبي ﷺ لاحد باجرة قط وانما كان يرعى غنم اهله.

"شیخ سوید نے قیراط کی تفسیر سونا چاندی سے کرکے غلطی کی ہے کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے ہرگز ہرگز کسی کی

بکریاں اجرت پر نہیں چرائیں۔ ہاں آپ نے صرف اپنی بکریاں چرائی ہیں"۔ (شرح الشفا للقاری ۲: ۳۶۰)

۳۔ امام المحدثین ابن جوزی نے دونوں قول کا جائزہ لینے کے بعد کہا:

الذي قاله الحربي اصح

"شیخ حربی نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ نہایت ہی صحیح ہے"۔ (عمدۃ القاری ۱۲: ۸۰)

۴۔ اسی طرح ملا علی قاری نے بھی شیخ ابراہیم الحربی کے قول کو ترجیح دی اور اسے صحیح قرار دیتے ہوئے کہا:

والصحيح ما فسره به ابراهيم بن اسحاق الحربي الامام في الحديث واللغة وغيرهما ان قراريط اسم مكان في نواحي مكه.

"امام ابراہیم بن اسحاق حربی کی تفسیر ہی صحیح ہے کہ قراریط اطراف مکہ میں جگہ کا نام ہے۔ اور وہ حدیث، لغت اور دیگر علوم کے امام ہیں"۔ (شرح الشفا للقاری ۲: ۳۶۰)

۵۔ شیخ المحدثین امام بدر الدین عینی نے تصیدۂ اوّل (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) سے شیخ ابراہیم، شیخ محمد بن ناصر اور امام ابن جوزی کی تائید کرتے کہا:

انه ما كان يرعى باجرة فاذا كان كذلك فلا دخل للقراريط من النقد في هذا الموضع.

"جب آپ ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہی نہیں۔ لہذا اس حدیث میں لفظ قراریط کا اجرت سے کوئی تعلق نہیں"۔ (عمدۃ القاری ۱۲: ۸۰)

۶۔ امام ملا علی القاری تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمحققون انه عليه الصلوة والسلام لم يرع لاحد بالاجرة وانما رعى غنم نفسه وهذا لم يكن عيباً في قومه. واما رواية رعى بقراريط فقالو انه اسم موضع.

"محققین علماء نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اجرت پر کسی کی بکریاں نہیں چرائیں۔ ہاں آپ نے اپنی بکریاں چرائی ہیں اور یہ عیب نہیں۔ باقی رہی روایت قراریط تو علماء نے بتایا ہے کہ وہ جگہ کا نام ہے"۔ (شرح الشفاء للقاری ۲: ۳۳۸)

۷۔ علامہ شبلی نعمانی اس اختلاف کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط، قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم و دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اس بناء پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اسی بناء پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی

ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے"۔ (عمدۃ القاری ۱۲:۸۰)

نور المحمر اس میں یہ بحث اور تفصیل سے ہے اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ (حاشیہ سیرت النبی، ۱:۱۷۹)

نوٹ: نور المحمر اس تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکی۔ ملنے پر اس کے دلائل کو شامل کیا جائے گا۔

۸۔ اہل حدیث فاضل مولانا ابراہیم سیالکوٹی اس بحث کے آخر میں یہ رائے دیتے ہیں کہ:

"اس زمانہ میں مکہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ بلکہ یہ اس مقام کا نام ہے جو مکہ میں اجیاد کے قریب ہے"۔ (سیرت المصطفیٰ ۱:۱۳۸)

قولِ محققین کے تائیدی دلائل :

یہاں ہم کچھ ایسے دلائل کا بھی تذکرہ کر دیتے ہیں جو محققین کے قول کی تائید کرتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے تو اس پر ساقہ قرآنی آیت کے الفاظ "لَا تَقُولُوا رَاعِنَا" دال ہیں کہ حدیث میں قراریط سے مراد جگہ اور مقام لیا جائے تاکہ قرآن و حدیث میں تعارض لازم نہ آئے۔

۲۔ خود اس حدیث کے الفاظ واضح طرح اس پر شاہد ہیں کہ لفظ قراریط سے اُجرت مراد لینا درست نہیں کیونکہ اس کے الفاظ ہیں:

كنت ارعاها على قراريط لاهل مكة۔

"میں نے اہل مکہ کی بکریاں قراریط پر چرائیں"۔

جو لوگ قراریط کا معنی اجرت کرتے ہیں وہ "علی" کو اس کے مجازی معنی "با" کرنے پر مجبور ہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

على بمعنى الباء وهى للسببية او المعاوضة وقيل انها هنا للظرفية

"یہاں علی، با کے معنی سببیت یا معاوضہ کے لئے ہے بعض نے کہا یہاں ظرفیت کے لئے ہے"۔ (فتح الباری، ۴:۳۳۹)

حالانکہ اصول یہ ہے کہ کسی لفظ کو مجازی معنی میں لے جانا اس وقت مجبوری ہوتی ہے جب اس کا حقیقی معنی وہاں لینا درست نہ ہو اور محل حقیقی معنی کو قبول ہی نہ کرے لیکن جہاں حقیقی معنی لینا درست ہو وہاں مجازی معنی لینا خلاف اصول ہے۔ حدیث مذکورہ میں جب "علی" اپنے حقیقی معنی میں فٹ ہی نہیں بلکہ احترام نبی کا ذریعہ ہے تو پھر مجازی معنی کی طرف کیوں جایا جائے۔ امام بدرالدین عینی نے یہی بات ان الفاظ میں کی:

ان كلمة على فى اصل وضعها للاستعلاء، والاستعلاء حقيقة لا يكون الا على

القراريط الذى هو اسم موضع وعلى القراريط من النقد يكون بطريق المجاز فلا يصار الى المجاز الا عند تعذر الحقيقة ولا تعذر هنا.

"کلمہ "علی" کی وضع استعلاء کے لئے ہے اور حقیقی استعلاء اس صورت میں ثابت ہوگا جب قراریط جگہ کا نام ہو اور اگر قراریط کا معنی نقدی کیا جائے تو اب بطور مجاز ہوگا اور مجازی معنی کی طرف اس وقت رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جب حقیقی معنی نہ لیا جاسکتا ہو۔ حالانکہ یہاں حقیقی متعذر نہیں"۔ (عمدۃ القاری ۱۲:۸۰)

الغرض "علی" کو اپنے استعلاء پر ہی رکھنا پڑے گا جو صراحۃً محققین کی تائید کر رہا ہے کہ قراریط اجرت نہیں بلکہ جگہ کا نام ہے۔

۳۔ دوسری کتب حدیث میں "لاهل مكة" (مکہ والوں کی بکریاں) کے الفاظ نہیں بلکہ وہاں "لاهلى" (میں اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا) کے الفاظ ہیں"۔

ابوداؤد طیالسی، بغوی، ابن مندہ، ابونعیم اور ابن عساکر نے بشر بن حرب البصری سے مرسلاً اور امام احمد اور عبد بن حمید نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ہم اونٹ اور بکری کی ملکیت پر فخر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

بعث موسى و هو راعى غنم و بعث داود و هو راعى غنم و بعثت وانا راعى غنم لاهلى باجياد.

"حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے بکریاں چرائیں اسی طرح داؤد علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔ میں نے بھی اپنی بکریاں مقام اجیاد میں چرائیں"۔ (مسند احمد ۳:۳۲)

امام ابن حجر کے مطابق یہ روایت نسائی میں بھی ہے۔ (فتح الباری ۴:۳۳۹)

اس میں آپ نے دو باتوں کی تصریح فرما دی ہے:

۱۔ میں نے کسی کی بکریاں نہیں چرائیں بلکہ اپنی بکریاں چرائی ہیں۔

۲۔ دوسرا آپ نے جگہ کا نام لیا کہ میں نے مقام اجیاد پر بکریاں چرائیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں بھی قراریط جگہ کا نام ہی لیا گیا ہے۔

دونوں احادیث میں تطبیق

محققین علماء نے ان دونوں احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا:

انه اراد المكان فعبر تارةً باجياد و تارةً بقراريط.

"آپ کا مقصد جگہ کا بیان ہے کبھی آپ نے اجیاد کا نام لیا اور کبھی قراریط کا"۔ (سبل الہدیٰ ۲:۲۱۳)

بعض نے یوں تطبیق دی ہے کہ ایک حدیث میں یہ بیان ہے کہ میں نے اپنی بکریاں بغیر اجرت

چرائیں اور دوسری میں یہ تذکرہ ہے کہ میں نے اجرت پر بھی بکریاں چرائی ہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک محققین کی تحقیق نہایت ہی احسن ہے کیونکہ قرآن اور حدیث کی روح کے وہ زیادہ قریب ہے اور الفاظِ روایت بھی اسی کی تائید کر رہے ہیں۔

۳۔ محدثین نے حدیث صحیح کی روشنی میں ثابت کیا کہ اس وقت مکہ میں سکۂ قیراط کی صورت میں رائج ہی نہ تھا۔ امام بدرالدین عینی رقمطراز ہیں:

اهل مكه لا يعرفون القيراط الذى هو من النقد ولذلك جاء فى صحيح و ستفتحون ارضاً يذكر فيها القيراط.

"اہل مکہ قیراط بمعنی نقدی نہیں جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے عنقریب تم ایسا علاقہ فتح کرو گے جہاں قیراط کا اجراء ہوگا"۔ (عمدۃ القاری ۱۲: ۸۰)

جب یہ سکہ رائج ہی نہیں تھا تو پھر بکری کی اجرت ایک قیراط لینا دینا کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

اعتراض: جس طرح اہل مکہ قیراط سکہ کو نہ جانتے تھے اسی طرح مقام قراریط کا تذکرہ بھی ان کے ہاں نہیں ملتا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اہل مکہ کی عدم معرفت سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس جگہ کا علم حضور ﷺ کو بھی نہ ہو۔ ممکن ہے قدیم زمانہ میں اجیاد کے قریب جگہ کا نام ہو لیکن متروک ہو گیا ہو۔ آپ ﷺ نے اس موقعہ پر اس کے نام کو ظاہر فرما دیا:

لا يلزم من عدم معرفتهم القراريط الذى هو اسم موضع لا يكون للنبى ﷺ. فالنبى ﷺ لما اخبر بانه رعى الغنم على قراريط علموا فى ذلك الوقت انها اسم موضع ولم يكونوا علموا به قبل ذلك لكون هذا الاسم قد هجر استعماله من قديم الزمان فاظهره ﷺ فى ذلك الوقت.

"اگر مقام قراریط سے اہل مکہ ناواقف تھے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو بھی اس کا علم نہ ہو۔ تو جب آپ ﷺ نے مقام قراریط کے بارے میں بتایا تو انہوں نے اس موقعہ پر جان لیا۔ حالانکہ اس سے پہلے نہ جانتے تھے کیونکہ اس مقام کا نام قدیم زمانہ سے متروک ہو چکا تھا۔ اس موقعہ پر اس کو آپ نے ظاہر فرما دیا"۔

(عمدۃ القاری ۱۲: ۸۰)

اگرچہ سابقہ گفتگو سے روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ آپ نے ہرگز اجرت پر بکریاں نہیں چرائیں لیکن بالفرض چرائی بھی ہوں تب بھی عوام خصوصاً بچوں کے سامنے آپ کے ایسے معمولات کا ذکر نہ کیا جائے۔ اسلاف نے تو ارشاد باری تعالیٰ لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا کی روشنی میں یہاں تک واضح کیا ہے کہ ہمارے دور میں اجرت پر آپ کا بکریاں چرانا کہنا تو کجا آپ کے بارے میں اپنی بکریاں چرانے والا بھی کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس دور میں بکریاں چرانا معزز پیشہ تھا مگر ہمارے دور میں معزز پیشہ نہیں رہا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ

کے حبیب ﷺ کو "بکریاں چرانے والا" بھی نہیں کہا جائے گا۔ امام جلال الدین سیوطی اس بات کی تصریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

رعى الغنم لم يكن صفة نقص فى الزمن الاول لكن حدث العرف بخلافه ولا يستنكر ذلك فرب حرفة هى نقص زمان دون زمان و فى بلد دون بلد.

"دور اول میں بکریاں چرانا نقص وعیب نہ تھا لیکن اب عرف میں اسے اچھا تصور نہیں کیا جاتا اور بہت سے کام ایک دور اور شہر میں معزز ہوتے ہیں مگر دوسرے دور اور شہر میں اچھے تصور نہیں کئے جاتے"۔ (تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء، ۲۳۱)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر سے سوال ہوا کہ بعض واعظین مجالس میلاد میں بیان کرتے ہیں کہ دائیوں نے عدم مال کی وجہ سے آپ کو نہ لیا اور آپ نے بکریاں بھی چرائیں۔ کیا عوام کے لئے ایسا بیان کرنا جائز ہے؟ تو آپ نے جواباً فرمایا:

ينبغى لمن يكون فطنا ان يحذف من الخبر مايوهم فى المخبر عنه نقصاً ولا يضره ذلك بل يجب.

"ہر صاحب فہم کو چاہیے کہ وہ واقعہ بیان کرتے وقت ہر اس چیز کو حذف کر دے جس میں آپ ﷺ کے بارے میں حقارت و نقص کا شبہ پیدا ہونے کا خدشہ ہو۔ ایسا کرنا نقصان دہ ہی نہیں بلکہ واجب ہے"۔ (تنزیہ الانبیاء، ۲۳۱:۲۷)

شیخ ابن ابی مریم بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں یہ سوال آیا کہ ایک آدمی نے دوسرے کو بطور طعن فقیر کہا تو اس نے جواباً کہا:

تعيرنى بالفقر و قد رعى النبى ﷺ الغنم.

"تو نے مجھے فقیر کا طعنہ دیا ہے حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے بکریاں چرائیں"۔

آپ نے فرمایا: قد عرض بذكر النبى ﷺ فى غير موضعه ارى ان يؤدب.

"اس شخص نے حضور علیہ السلام کا ذکر مناسب جگہ اور طریقہ پر نہیں کیا لہٰذا اس پر تعزیر نافذ کی جائے"۔ (تنزیہ الانبیاء، ۲۳۵)

الغرض کتاب وسنت نے جو آداب نبوی ﷺ بیان کئے ہیں ان کے پیش نظر آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ نے اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرائیں، ہرگز جائز نہیں۔ جب ایسا بیان کرنا جائز نہیں تو اسے کسی نصاب کا حصہ بنانے کی اسلام کیسے اجازت دے سکتا ہے۔

قرآن مجید میں امثال کا استعمال

شاکر حسین خان

ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

"مثال" عربی زبان کا لفظ اور مونث کا صیغہ ہے اس کی جمع امثال ہے، یہ لفظ اردو زبان میں بھی انہیں معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کا مادہ مثل ہے جو کہ م، ث اور ل کا مخفف ہے، یہ لفظ قرآن مجید میں پچاس (۵۰) مرتبہ مختلف صیغہ جات کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔[1]

مثال کے لغوی معنی درج ذیل ہیں:

نظیر، شل، مانند، تصویر، صورت، نمونہ، تمثال، کہانی، حکایت، مثل اور کہاوت کے ہیں۔[2]

مثال دینے کی ضرورت و اہمیت:

مثال لوگوں کو سمجھانے کے لئے دی جاتی ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں، مثال سے عبرت حاصل کی جاتی ہے، مثال کے ذریعے سے غور و فکر کے بند دریچے کھلتے ہیں اس کے ذریعے سے تفکر پیدا ہوتا ہے، مثال سننے اور کہنے سے انسان کا ذہن نشو ونما پاتا ہے۔ مثال دینا عربوں کا شعار، فارسیوں کا طریقہ اور ہند کا رواج ہے دنیا کے ہر خطے کے باشعور انسان اپنی اپنی زبانوں میں گفتگو کے دوران مثالیں دیتے ہیں گویا امثال کا استعمال ایک بین الاقوامی طریقہ کار ہے قرآن مجید نے بھی اس اسلوب کو اپنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لئے قرآن مجید میں متعدد امثال بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل لعلهم یتذکرون۔[3]

"اور بیشک ہم نے انسانوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی کہ یہ نصیحت قبول کریں"۔

اور فرمایا:

و تلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العلمون۔[4]

"اور یہ مثالیں ہم بیان فرماتے ہیں لوگوں کے لئے اور نہیں سمجھتے انہیں سوائے علم والے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو امثال بیان فرمائی ہیں انہیں اہل علم ہی سمجھتے اور ان سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا۔

ولقد صرفنا فی هذا القرآن للناس من کل مثل۔[5]

"اور بیشک ہم نے اس قرآن میں انسانوں کے لئے ہر قسم کی مثال طرح طرح سے بیان فرمائی"۔

اور فرمایا: و تلک الامثال نضربها للناس لعلهم یتفکرون۔[6]

اور یہ مثالیں ہم بیان فرماتے ہیں لوگوں کے لئے وہ سوچیں۔

ان آیات قرآنیہ سے امثال کی ضرورت اور اہمیت عیاں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف اقسام کی امثال بیان فرمائی ہیں تاکہ انسان ان مثالوں کے ذریعے سے نصیحت حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات قرآنی میں انسانوں کو دعوت فکر دی ہے کہ وہ ان مثالوں کو پڑھیں، سمجھیں اور ان میں تفکر کریں۔ انسان ان مثالوں سے سبق حاصل کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر سکتا ہے۔ منکرین ان امثالوں سے استفادہ نہیں کر سکتے ان کے برعکس اہل علم ان امثال کو سمجھتے ہیں اور ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "بیشک قرآن مجید پانچ طریقوں (پانچ قسم کی آیات) پر نازل ہوا۔ حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال پر، تو تم حلال پر عمل کرو حرام سے اجتناب کرو، محکم کی اطاعت کرو متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت حاصل کرو۔[7]

قرآن مجید کی امثال کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے ۱۔ ظاہری امثال ۲۔ پوشیدہ امثال

ظاہری امثال سے مراد وہ مثالیں ہیں جنہیں مثالیں ظاہر کر کے بالتصریح بیان کیا گیا ہے یعنی واضح طور پر تشریح کے ساتھ۔ پوشیدہ یا مخفی وہ مثالیں ہیں جنہیں بالتصریح بیان نہیں کیا گیا ان کے معنی مقید ہیں وضاحت طلب ہیں ان میں مثل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[8]

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ظاہر مثالیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق شخص کی مثال آگ اور پانی سے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مثلهم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حوله ذهب الله بنورهم۔[9]

ان کی مثال اس کی طرح ہے کہ جس نے آگ روشن کی تو جب اس کے آس پاس سب روشن ہو گیا تو اللہ نے لے لیا اس کا نور۔

یعنی وہ اندھے ہو گئے اور اندھے کو روشنی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اندھے کو چراغ جلانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اسکی آنکھیں ہی بے نور ہیں اس کو روشنی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اسی طرح منافق کا دل اندھا ہے صرف

زبان سے کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک دل سے ایمان کو قبول نہ کیا جائے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں ۱۰

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر منافق کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

او کصیب من السماء فیه ظلمت و رعد و برق ج یجعلون اصابعهم فی اذانهم من الصواعق حذر الموت والله محیط بالکفرین ° یکاد البرق یخطف ابصارهم کلما اضاء لهم مشوا فیه واذا اظلم علیهم قاموا ۱۱۔

یا جیسے بادل سے بارش ہو اس میں ہو اندھیرا، گرج اور چمک یا اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونستے ہیں کڑک کی وجہ سے موت کے ڈر سے اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے قریب ہے کہ بجلی اُنکی بصارت چھین لے گی جب روشنی ہوتی ہے تو چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مثال کو منافق کی مثال کے مساوی قرار دیا ہے۔ جب منافقین رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شریک ہوتے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ کہیں ان کی نصیحت اثر نہ کر جائے اور انکی منافقت کا خاتمہ ہو جائے اور وہ مومن نہ بن جائیں۔

روشنی میں چلنے سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمان فتحیاب ہوتے اور انہیں مال غنیمت حاصل ہوتا تو منافقین روشنی سے مستفیض ہونے والے شخص کی طرح غنیمت حاصل کرنے کی خاطر مسلمان بن جاتے اور جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی تو اسلام چھوڑ دیتے جس طرح اندھیرے میں کھڑا ہو جانے والا شخص روشنی کے بغیر نہیں چلتا اسی طرح یہ لوگ کسی لالچ کے بغیر اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے صرف مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے مسلمان بن جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی انتیسویں (۲۹) سورۃ کا نام العنکبوت (مکڑی) ہے اس سورۃ کے نام کا سبب یہی مثال (کہاوت) ہے جو اب پیش کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

مثل الذین اتخذوا من دون الله اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوهن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون ° ۱۲۔

ان کی مثال جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور مالک بنا لئے ہیں مکڑی کی طرح ہیں کہ جس نے جالے کا گھر بنایا بلاشبہ تمام گھروں سے کمزور ترین گھر مکڑی کا گھر ہے کیا اچھا ہوتا اگر تم علم رکھتے۔

اس آیت میں شرک کی مذمت کی گئی ہے۔ مشرک کو مکڑی اور ان کے جھوٹے معبودوں کو جالے سے

تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح مکڑی کا جالا، گرمی، سردی، ہوا اور بارش وغیرہ سے حفاظت نہیں کر سکتا یہی حال ان بتوں کا ہے یہ کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ چنانچہ حاصل یہ ہوا کہ سب دینوں میں کمزور ترین دین بت پرستی کا دین ہے۔

مرتد اور خواہش کا تابع کتے کی مانند ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث ، ذلک مثل القوم الذین کذبوا بایتنا ۱۳۔

تو اس کی مثال کتے کی مانند ہے اس پر سختی کرو تو ہانپے زبان نکال کر اور چھوڑ دو تو پھر بھی ہانپے زبان نکال کر یہ مثال ہے انکی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

یعنی جو شخص اپنی خواہش کا تابع ہو کر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے یا دنیاوی مال و متاع کی خاطر مرتد ہو جاتا ہے تو اس کی مثال کتے کی مانند ہے۔ جس طرح کتا دونوں حالات میں یکساں ہو کر ہانپا کرتا ہے اسی طرح اس شخص کا حال ہوا کہ خواہ اس کو نصیحت اور اسلام کی دعوت دو یا نہ دو کچھ منتفع نہیں ہوتا۔

کفار کے اعمال راکھ کی مانند ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مثل الذین کفروا بربهم اعمالهم کرماد ن اشتدت به الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علی شیء ۱۴۔

ان کی مثال جنہوں نے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال راکھ کی مانند ہیں جس پر تیز ہوا کا جھونکا آیا ہو آندھی کے دن ساری کمائی سے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

یعنی کفار کے وہ اعمال جو وہ انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کرتے ہیں راکھ کی مانند ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر ان اعمال کا کوئی فائدہ نہیں انکی مثل راکھ ہے جو تیز ہوا سے اڑ جاتی ہے اور باقی کچھ نہیں رہتا۔

کتابیں لادنے والا گدھے کی مانند ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

مثل الذین حملوا التورة ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا ، ۱۵

مثال ان کی جن پر توریت گراں باری کی گئی پھر انہوں نے اسکی حکم برداری نہیں کی، گدھے کی مثال ہے جو لادے اپنی پیٹھ پر کتابیں۔

یعنی یہودی گدھے کی مثل ہیں اگر گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں تو وہ پھر بھی علامہ نہیں بن سکتا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو کتاب عطا کی لیکن انہوں نے اس کتاب کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر ہم قرآن کی تعلیمات کو چھوڑ دیں گے تو اس مثال کے تحت یہودیوں اور ہم میں کچھ فرق باقی نہ رہے گا۔ زمانہ حال مسلمانوں نے یہودیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب سے عملی طور پر روگردانی کر رکھی ہے اس لئے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

ورنہ قرآن گر ہم نے نہ بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

اور کلمہ توحید کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے:

ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها فى السمآء، تؤتى اكلها كل حين باذن ربها.[۱۶]

"اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہر وقت پھل دار رہتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے"۔

یہ مثال کلمہ توحید اور ہر نیک اور اچھی بات کی ہے۔

اور کلمہ کفر کی مثال یہ ہے:

ومثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار.[۱۷]

"اور گندی بات کی مثال جیسے ایک گندا درخت کہ زمین کے اوپر سے کاٹ دیا گیا ہو اور وہ ٹھہرنے والا نہیں"

یہ مثال کلمہ کفر اور ہر گندی و بری اور فحش گوئی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ توحید اور شرک میں فرق اس مثال کے ذریعے بیان فرماتا ہے:

ضرب الله مثلا رجلا فيه شركاء متشكسون ورجلا سلما لرجل ، هل يستوين مثلا.[۱۸]

"اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک غلام کی جس کے متعدد بدخو آقا ہیں اور ایک غلام صرف ایک شخص کا ہے، کیا دونوں کی مثال برابر ہے"

یعنی ایک غلام جس کے کئی بدخو آقا ہیں جو غلام کو مختلف حکم دیتے ہیں وہ غلام پریشان ہے کہ کس کا حکم مانے اور کس کی نافرمانی کرے۔ اور وہ غلام جس کا ایک آقا ہو تو وہ غلام آرام سے رہتا ہے اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے اس کا آقا اس کی فرمانبرداری پر خوش ہوتا ہے یہی مومن اور مشرک کی مثال ہے یعنی توحید اور شرک میں فرق ہے توحید کے لئے دنیا و آخرت میں عیش و آرام ہے جبکہ مشرک دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں خسارہ پانے والے ہیں۔

اللہ اپنے نور کی مثال اس طرح بیان فرماتا ہے:

مثل نوره كمشكوة فيها مصباح ، المصباح فى زجاجة ، الزجاجة كانها كوكب دری یو قد من شجرة مبركة زيتونة لا شرقيه ولا غربية يكاد زيتها يضئ ، ولو لم تمسسه نار ط نور على نور ، يهدى الله لنوره من يشآء .[۱۹]

"اس کے نور کی مثال ایسے کہ طاق میں چراغ، چراغ فانوس میں ہے گویا ستارہ ہے

موتی کی طرح روشن کیا جاتا ہے زیتون کے پاکیزہ درخت سے جو نہ مشرق کا نہ مغرب کا اب اس کا تیل روشن ہوتا ہے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ دے جسے چاہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق یہاں مراد نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک ہے۔[۲۰]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد پوشیدہ مثالیں بیان فرمائی ہیں ان پوشیدہ مثالوں میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ولا يلدوا الا فاجرا كفارا.[۲۱]

"اور نہ ہوگی انکے اولاد مگر بدکار ناشکرے"۔

یعنی جیسا باپ ویسا ہی بیٹا، سانپ کا بچہ سپولیا یعنی دشمن کی اولاد اور اسکے دوست سے نیکی کی امید رکھنا بے وقوفی ہے اور نادانی ہے دشمن کی اولاد اور دشمن کا دوست دشمن ہی ہوتے ہیں۔

فارسی کی کہاوت ہے کہ "عاقل را اشارہ کافی است" یعنی عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فاعتبروا يا اولى الابصار.[۲۲]

"تو عبرت پکڑو اے نگاہ والوں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عقل والوں کو دعوت فکر دی ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں غور و فکر کریں اور مثالوں اور سابقہ امتوں کی زندگیوں سے سبق حاصل کریں۔ اپنی بینا آنکھوں کے ہوتے ہوئے ان پر غفلت کی پٹی نہ باندھیں۔

اردو کی مشہور کہاوت ہے "جیسی روح ویسے فرشتے"۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الخبيثت للخبيثين والخبيثون للخبيثت ، والطيبت للطيبين والطيبون للطيبت.[۲۳]

"گندی عورتیں گندوں کے لئے اور گندے مرد گندیوں کے لئے اور پاک دامن پاکبازوں کے لئے اور پاکباز پاک دامنوں کے لئے"

یعنی جو شخص جیسا ہوتا ہے اسکے ویسے ہی دوست ہوتے ہیں گندگی میں رہنے والا گندگی میں رہنا پسند کرتا ہے چور چور کا دوست ہوتا ہے برا آدمی بری صحبت میں ہی رہتا ہے جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اس طرح برا آدمی برائی کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ایک برائی دوسری برائی کی دوست ہے جو جیسا شخص ہوگا ویسے ہی اسکے اعمال ہونگے ویسے ہی اسکے دوست ہونگے کیونکہ جیسی روح ہوتی ہے ویسے ہی اس پر فرشتے مسلط کئے جاتے ہیں۔

اردو زبان کی کہاوت ہے "جو دھرتی پر آیا اسے دھرتی نے کھایا"۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كل نفس ذائقة الموت [۴۳]

"ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے"

یعنی جو اس دنیا میں آ گیا اسے ایک دن مرنا ضرور ہے اس لئے کہ "جو دھرتی پر آیا اسے دھرتی نے کھایا" یہ کہاوت اس آیت کی روشنی میں پورا اترتی ہے۔

اہل ہند کی کہاوت ہے کہ "حرکت میں برکت ہے"۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ومن يهاجر في سبيل الله يجد في الارض مرغما كثيرا وسعة [۴۴]

"اور جو ہجرت کرے اللہ کی راہ میں زمین پر پائے بڑی جگہ اور گنجائش"

یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے سے کچھ نہیں ہوتا اپنی فکر ہے کوشش کرنی چاہیے حرکت میں برکت ہے اللہ کی رحمت اور نعمت کو تلاش کرنا چاہیے یہی اطاعت خداوندی ہے۔

یہ کہاوت بھی معروف ہے کہ "جو کرے سو بھرے"۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

من يعمل سوء يجز به [۴۵]

"جو برائی کرے اس کا بدلہ پائے گا"

یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی جو نیکی کرے گا تو اسے نیکی کا پھل ملے گا اور جو برائی کرے گا تو اسے برائی کا بدلہ ملے گا جو کرے گا سو بھرے گا۔ جو جیسا کام کرے گا اس کا ویسا ہی انجام ہوگا۔

کفار و مشرکین "سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں" اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لا تتخذو اليهود والنصرى اولياء بعضهم اولياء بعض [۴۶]

"دوست نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔

یعنی یہ سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں ان سے نیکی کی توقع کرنا بے سود ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است

مقتضائے طبیعتش این است

یہ کہاوت اس شخص کے لئے کہی جاتی ہے جس کی فطرت میں شرارت ہو۔ [۴۷]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ذلك زنيم [۴۸]

"وہ جس کی اصل میں خطا"۔

یہ گستاخ رسول ﷺ کی نشانیوں میں سے ایک ہے یعنی نطفہ ناتحقیق جس کی اصل میں ہی خطا ہو تو وہ خطا ہی کرے گا شریف برائی نہیں کر سکتا اور رذیل سے بھلائی نہیں ہوتی اردو میں یہ کہاوت بھی کہی جاتی ہے "اصل

سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں"۔

یہ بھی مشہور محاورہ ہے "قیامت کرنا"۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ان الذين جاء و بالافك عصبة منكم [۴۹]

"بیشک وہ جو بڑا بہتان لائے ہیں تمہیں میں سے ایک گروہ"

ایک مرتبہ منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہت بڑا بہتان لگایا تھا، اس آیت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وکالت کی گئی ہے اور منافقین نے جو قیامت کر رکھی تھی الزام تراشی سے اس کو کافور کر دیا گیا۔

یہ بھی مشہور محاورہ ہے "فی النار والسقر ہونا" اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

انما يا كلون في بطونهم نارا ط وسيصلون سعيرا [۵۰]

"وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ اور جلد پہنچیں گے جہنم"۔

یعنی گنہگار اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

ان امثال کے علاوہ اور بھی امثال قرآن مجید میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں امثال سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ عبدالباقی، محمد فواد، المعجم المفهرس، ص ۸۳۶، منشورات ذوی القربیٰ، المصر، ۱۹۸۸ء

۲۔ فیروز الدین، الحاج مولوی، فیروز اللغات اردو جامع، ص ۱۴۰۳، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور

۳۔ سورۃ الزمر، آیت ۲۷

۴۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۴۳

۵۔ سورۃ الکہف، آیت ۵۴

۶۔ سورۃ الحشر، آیت ۲۱

۷۔ سیوطی، جلال الدین، علامہ، الاتقان فی علوم القرآن (اردو) جلد ۲، ص ۳۹۷، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی، س۔ن

۸۔ ایضاً، ص ۳۹۹

۹۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۷

۱۰۔ محمد اقبال، سر، ڈاکٹر، ضرب کلیم، ص ۲۹، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، مارچ ۱۹۵۴ء

۱۱۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۔۲۰

۱۲۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۴۱

۱۳۔ سورۃ الاعراف، آیت ۱۷۶

۱۴۔ سورۃ ابراہیم، آیت ۱۸

۱۵۔ سورۃ الجمعہ، آیت ۵

۱۶۔ سورۃ ابراہیم، آیت ۲۴۔۲۵

۱۷۔ ایضاً، آیت ۲۶

۱۸۔ سورۃ الزمر، آیت ۲۹

۱۹۔ سورۃ النور، آیت ۳۵

۲۰۔ البغدادی، علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم، تفسیر الخازن، جلد ۵، ص ۶۵، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، المصر

۲۱۔ سورۃ نوح، آیت ۱۷

۲۲۔ سورۃ الحشر، آیت ۲

۲۳۔ سورۃ النور، آیت ۳۶

۲۴۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۵۷

۲۵۔ سورۃ النساء، آیت ۱۰۰

۲۶۔ سورۃ النساء، آیت ۱۳۳

۲۷۔ سورۃ المائدہ، آیت ۵۱

۲۸۔ فیروز الدین، الحاج مولوی، فیروز اللغات اردو جامع

۲۹۔ سورۃ القلم، آیت ۱۳

۳۰۔ سورۃ نور، آیت ۱۱

۳۱۔ سورۃ النساء، آیت ۱۰

اعجاز قرآن

محمد سہیل شفیق

معاون استاد، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

نوع انسانی را پیام آخریں

خالق جن و انس نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے جو مقدس کلام حضور پر نور سید العالمین ﷺ کے قلب اطہر پر تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا، اس کا حسن و جمال قلب و نگاہ دونوں کو یکساں متاثر کرتا ہے۔ جس کی تجلیات دنیا و آخرت دونوں کو جگمگا دینے والی ہیں۔ اس کی تعلیم نے انسان کو خود شناس بھی بنایا اور خدا شناس بھی۔ یہ کتاب مقدس ہر لحاظ سے سراپا اعجاز ہے۔ اس کا ہر پہلو اتنا دلربا ہے کہ اسے پڑھنے والے کو مسحور کر دیتا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ کو پیش گاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا:

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتب یتلی علیھم ۔ ان فی ذلک لرحمة و ذکری لقوم یومنون۔ (العنکبوت: ۵۱)

ترجمہ: کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے۔

معجزہ کی تعریف:

الاتیان بامر خارق للعادۃ یقصد بہ بیان صدق من ادعٰی انہ رسول اللہ۔ (المسامرہ وغیرھا من کتب العقائد)

یعنی مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔

سرور عالم ﷺ سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں معجزات دکھائے، مگر ان معجزات کا وجود صرف ان کی حیات دنیوی تک رہا۔ علاوہ ازیں ان کے معجزات عموماً حسی تھے۔ جن کو فقط